رسولؐ انقلاب کا طریق انقلاب

یہ مضمون شروع کرنے سے قبل میں اپنے قارئین سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ ہر شخص یہ سوچے کہ آج امت مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت کیا ہے؟ کیا مال و دولت، حکومت، تعلیم، ٹیکنالوجی، جمہوریت ہماری سب سے بڑی ضرورت ہیں؟ اگر یہی سوال کوئی مجھ سے پوچھے تو میرے خیال میں امت مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے اس طریقے کو سمجھ لے کہ جس طریقے پر نبی اکرمؐ نے انقلاب برپا کیا۔ اس حوالے سے میں اپنی سوچ کے جو پہلو آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آج عالمی پیمانے پر امت مسلمہ جس زبوں حالی کا شکار ہے یہ اصل میں عذاب الٰہی ہے جس میں ہم مبتلا ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم زمین پر اللہ تعالیٰ کے دین کے نمائندے بنائے گئے تھے لیکن آج ہم پوری دنیا میں کوئی ایک ماڈل ملک بھی نہیں دکھا سکتے کہ لوگو! آؤ دیکھو یہ ہے نظام مصطفیٰ ﷺ یہ ہیں دین حق کی برکات، لہٰذا ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ اگر ہم ملک میں صحیح اسلامی نظام نافذ کرلیں تو امریکہ سمیت دنیا کی کوئی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اگر پاکستان میں اسلامی انقلاب نہ آیا تو خدانخواستہ اس کے قائم رہنے کی وجہ جواز ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ تو قائم ہی اسلام کے اصول حریت واخوت ومساوات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آج امریکہ اور اس کے تمام اتحادی اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ اسلامی نظام کا کہیں ظہور نہ ہو جائے۔ بقول علامہ اقبالؒ ''عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف۔ ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں۔'' آج امریکہ پر یہ خوف طاری ہے کہ دنیا کے کسی کونے میں شرع پیغمبری کا عملی ظہور نہ ہو جائے۔ وہ جانتے ہیں کہ امت مسلمہ میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے ایک جذبہ انگڑائیاں لے رہا ہے کمی صرف یہ ہے کہ اس جذبے کو صحیح راہِ عمل نہیں مل رہی۔ محض جذبہ ہی کافی نہیں اس کے ساتھ لائحہ عمل بھی ہونا چاہئے۔ اس لیے میں عرض کر رہا ہوں کہ اسلام کو نظام زندگی کے طور پر نافذ غالب کرنے کے لیے صحیح لائحہ عمل واضح کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ صحیح لائحہ عمل وہی ہوگا جو سیرت النبی ﷺ سے ماخوذ ہو۔ ہم نے وہ احادیث ایک جگہ جمع کر کے بہت عام کی ہیں کہ جس سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ قیامت سے قبل پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور کفار کا ''نیوز ورلڈ آرڈر'' نہیں ''اسلامک ورلڈ آرڈر'' پوری دنیا میں غالب ہو کر رہے گا۔ ظاہری بات ہے کہ یہ نظام سب سے پہلے کسی ایک ملک میں قائم ہوگا۔ ''بقول امام مالکؒ اس امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکتی مگر اس طریقے پر کہ جس پر پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی'' یعنی نبی کریم ﷺ نے جس طریقے سے انقلاب برپا کیا تھا اس پر عمل پیرا ہو کر انقلاب آ سکتا ہے کیونکہ وہی ہمارے لیے بہترین اسوۂ حسنہ ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ انقلاب کہتے کسے ہیں؟ اس کے لفظی معنی ہیں تبدیلی۔ آج کل ہم اسے ہر جگہ پر استعمال کر لیتے ہیں۔ علمی انقلاب، ثقافتی انقلاب، سائنسی انقلاب، فوجی انقلاب جو کہ غلط ہے۔ کسی معاشرے کے سیاسی نظام، سماجی نظام یا معاشی نظام میں سے کسی ایک میں بنیادی تبدیلی کو صحیح انقلاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مندرجہ بالا تینوں گوشوں میں تبدیلیاں لا کر تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب برپا کیا۔ کیونکہ دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے اس کا آئیڈیا دینے والے کوئی اور لوگ تھے اور اس کو عملی جامہ پہنانے والے دوسرے لوگ۔ انقلاب محمدی ﷺ وہ واحد انقلاب ہے جس کے تمام مراحل نبی کریم ﷺ کی حیات دنیوی میں مکمل ہوئے۔ ایک وقت میں نبی کریم ﷺ مکہ میں (Street Preaching) کر رہے ہیں اور وہی محمد ﷺ میدان بدر میں فوج کی کمان کر رہے ہیں یعنی انقلابی دعوت کا آغاز بھی آپؐ فرما رہے ہیں اور اسے آخری منزل پر بھی آپؐ پہنچا رہے ہیں۔ کل 23 سال میں اوّل سے آخر تک مراحل انقلاب مکمل فرمائے۔ آج کے دور جدید میں اجتماعیات، سوشیالوجی یا پولیٹیکل سائنس کا کوئی طالب علم پوری دیانت داری سے اسلامی انقلاب کا صحیح طریقہ اخذ کرنا چاہے تو اسے مارکس، لینن یا والٹیئر سے نہیں نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک سے مکمل راہنمائی مل سکتی ہے۔ میں اسلامی اصطلاحات دین، اسلام، ایمان، جہاد و قتال استعمال کئے بغیر انقلاب کے مراحل آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دور زوال کے دوران ان اصطلاحات کا مفہوم محدود اور مسخ (Limited and perverted) ہو گیا ہے۔ ہم جب بھی کوئی اصطلاح استعمال کرتے ہیں وہی (Perverted) تصور ہمارے ذہنوں میں اجاگر ہو جاتا ہے لہٰذا اگر ان اصطلاحات کو ہٹا کر جدید (Terminology) میں بات کریں تو انقلاب کا خاکہ نسبتاً آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا پھر اس خاکے میں سیرت النبی ﷺ اور قرآن وحدیث کی اصطلاحات اور واقعات کا رنگ بھریں گے۔ ایک مکمل انقلاب کے چھ یا سات مراحل حسب ذیل ہیں۔ (ا) ہر انقلاب کی پہلی ضرورت انقلابی نظریہ اور انقلابی فلسفہ ہوتی ہے۔ انقلابی نظریہ اور فلسفہ اسے کہتے ہیں جو موجودہ (Politico, Socio, Economic system) کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے۔ اگر فی الواقعہ ایسا ہے تو پھر وہ انقلابی نظریہ ہے ورنہ محض وعظ ونصیحت ہے۔ نظریہ نیا ہو تو معاملہ آسان ہوگا کیونکہ وہ اپنی اصطلاحات خود وضع کرے گا۔ اگر وہ نظریہ پرانا ہے تو اس کی وضاحت جدید اصطلاحات کے مطابق کرنا پڑے گی۔ پھر اس نظریے کو پھیلایا جائے اور عام کیا جائے۔ اس کے لیے دور جدید کے تمام ذرائع مثلاً پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا استعمال کئے جائیں۔ دوسرے مرحلے کے طور پر جو لوگ اس نظریے کو حقیقتاً قبول کریں انہیں (Listen&obey) کے اصول کے تحت منظّم کیا جائے اور تحریک میں کارکنوں کی حیثیت اور مرتبے کا تعین تحریک کے ساتھ وفاداری اور قربانی کی بنیاد پر کیا جائے۔ تیسرا مرحلہ تربیت کا ہے جس میں انقلابی جماعت کے کارکنوں کے ذہنوں سے انقلابی نظریہ ایک لمحے کے لیے بھی اوجھل نہیں ہونا چاہئے۔ اگر نظریہ ذہنوں میں راسخ ہے تو عمل کا جذبہ بھی رہے گا۔ اگر وہ مدہم پڑ گیا تو کام آگے نہیں بڑھے گا۔ اس کے لیے خاص تربیت کی ضرورت ہوگی تاکہ کارکنوں میں

تحریک کے لیے تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ بیدار رہے۔ بقول شاعر تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں۔ اگر مجوزہ انقلابی پروگرام میں روحانیت کا کوئی پہلو موجود ہو تو کارکنوں کی روحانی تربیت بھی درکار ہوگی۔ انقلاب کے لیے چوتھا مرحلہ کہنے کو تو نمبر 4 ہے لیکن حقیقت میں اس کا آغاز پہلے مرحلے کے ساتھ ہو جاتا ہے وہ ہے صبر محض (Passive resistance) جس کا مطلب ہے کارکن اپنے موقف پر ڈٹے رہیں کھڑے رہیں لیکن کسی قسم کی جوابی کارروائی نہ کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں انقلابی جماعت کے کارکن تالاب میں پتھر مارنے کی مانند ایک (Conflict) پیدا کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں داعی انقلاب کی شخصیت کو مجروح کرنے اور اس کی ہمت توڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مخالفین اسے پاگل، دیوانہ اور شاعر کہیں گے اس موقع پر داعی انقلاب اگر تمام الزامات سننے کے بعد بھی اپنے موقف پر قائم اور کھڑا رہے تو پھر انقلابی جماعت کے کارکنوں کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہیں مارا جاتا ہے۔ بھوکا رکھا جاتا ہے۔ جیلوں میں ٹھونسا جاتا ہے اور فائرنگ سکواڈ کے ذریعے ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کئے جاتے ہیں۔ اس موقع پر کارکنوں کی طرف سے صبر محض کی اشد ضرورت ہوگی کیونکہ اس مرحلے میں کارکنوں کی تعداد کم ہوتی ہے اور اگر وہ مشتعل ہو جائیں تو مخالف قوت انہیں کچل دے گی اگر انقلابیوں کی طرف سے کوئی جوابی کارروائی نہ ہو اور وہ مہلت عمل حاصل کرتے ہوئے اپنے مشن پر گامزن رہیں اور اپنی Base بڑھاتے رہیں۔ اپنے تحفظ کے لیے بھی ہاتھ نہ اٹھائیں تو باطل نظام کی طرف سے جسمانی تشدد بھی ایک حد تک ہوگا وہ سب کو ختم نہیں کریں گے۔ اس کا نہایت اہم نتیجہ یہ نکلے گا کہ عوام الناس کی ہمدردیاں انقلابیوں کو حاصل ہو جائیں گی۔ گویا ''جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ'' پانچواں مرحلہ اقدام کا ہوگا جس میں مزاحمت ہوگی۔ یہ قیادت کی ذہانت کا ثبوت ہوگا کیونکہ یہ انتہائی نازک فیصلے کا وقت ہوگا۔ اس مرحلے پر جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے اور تیاری پوری ہونے کے باوجود تاخیر بھی نہیں ہونی چاہئے ورنہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ گویا موقع گنوا دیا تو ناکامی اور اگر قبل از وقت اقدام کر دیا تو بھی ناکامی۔ اگر تعداد کافی ہو، ڈسپلن ہو اور تحریک کے لیے تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ موجود ہو تو تحریک Passive Resistance سے Active Resistance میں منتقل ہو سکتی ہے۔ جس میں موجودہ نظام کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑا جائے گا اور عدم تشدد کی بنیاد پر سول نافرمانی کی تحریک چلائی جائے گی۔ اس کے بعد چھٹا اور آخری مرحلہ براہِ راست تصادم کا ہوگا۔ جس میں موجودہ نظام اور اس کے محافظوں کے ساتھ باقاعدہ جنگ ہوگی۔ کیونکہ انقلابیوں نے Active Resistance کے ذریعے نظام کو چیلنج کر دیا ہے لہٰذا باطل نظام مقابلے کے لیے آ جائے گا۔ اس موقع پر اگر انقلابیوں کی تیاری ٹھیک ہوگی، تنظیم و تربیت ٹھیک کی گئی ہوگی صحیح وقت پر اس مرحلے کا فیصلہ کیا گیا ہوگا تو انقلابی کامیاب ہو جائیں گے ورنہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ انقلاب کا ساتواں مرحلہ بھی ہے کیونکہ انقلاب کبھی بھی اپنی جغرافیائی قومی یا ملکی حدود میں نہیں رہتا کیونکہ انقلاب نام ہے انقلابی نظریہ کا جسے کسی پاسپورٹ اور ویزے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سچا انقلاب لازماً Export ہوتا ہے۔ قارئین کرام یہ انقلابی عمل کا وہ خاکہ ہے جسے میں نے سیرت محمد ﷺ سے اخذ کیا ہے۔ اب ہم اس میں نبی کریم ﷺ کے عظیم انقلاب کا رنگ بھرتے ہیں۔ محمد ﷺ کا انقلابی نظریہ کیا ہے ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ ہے توحید جس کا مفہوم یہ ہے کہ روئے ارضی پر کوئی انسان یا قوم حاکم نہیں آقا اور مولا صرف خدا کی ذات باری تعالیٰ ہے۔ اس سے بڑا کوئی سیاسی نعرہ نہ تھا جو اس وقت کے سیاسی نظام کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرتا۔ زمین اور آسمان میں ہر چیز کا مالک خدا ہے۔ انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی امانت ہے۔ تمام انسان مساوی ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ علم وتقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ گویا اسلام کامل انسانی مساوات کا داعی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس نظریئے کی تبلیغ اور اشاعت انفرادی طور پر مکہ کی گلیوں، حج کے اجتماعات اور آس پاس کے میلوں تک میں کی گویا جو طریقہ بھی ممکن تھا وہ اختیار فرمایا۔ اگلے مرحلے میں جو لوگ ایمان لے آئے ان کی تربیت کی جس کے لیے بیعت کا سلسلہ شروع کیا جس کا ثبوت ہمیں متفق علیہ حدیث میں ملتا ہے جس کے راوی حضرت عبادۃ ابن صامت ہیں۔ ''میں بیعت کرتا ہوں کہ آپ کا ہر حکم سنوں گا اور مانوں گا، خواہ تنگی ہو خواہ آسانی، خواہ میری طبیعت آمادہ ہو خواہ مجھے اس پر جبر کرنا پڑے اور خواہ دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی جائے اور یہ کہ نظم کے ذمہ دار لوگوں سے ہرگز نہیں جھگڑوں گا اور یہ کہ ہر حال میں حق بات ضرور کہوں گا اور اللہ کے دین کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کروں گا۔'' جماعت کی بنیاد رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی بیعت کی ضرورت ہرگز نہیں تھی کیونکہ آپؐ پر تو صحابہ ایمان لائے تھے یہ محض ہماری رہنمائی کے لیے تھا۔ صبر محض کے مرحلے میں نبی کریم ﷺ کی ذات ہمارے لیے کامل نمونہ ہے۔ قریش نے کئی سال تک آپؐ کی کردارکشی کی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا یہاں تک کہ آپؐ کے جسم مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹا۔ صحابہ کرام کو بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ حضرت بلالؓ اور آل یاسرؓ پر ہونے والے مظالم کی داستانیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سمع وطاعت کے تمام تقاضے پورے کئے گئے۔ دیکھئے جب ایک شخص کو معلوم ہو جائے کہ مجھے مار دیا جائے گا تو وہ مشتعل ہو کر دو چار کو مار کر مرے گا لیکن یہاں حکم ہاتھ اٹھانے کا نہیں تھا۔ حضرت خبابؓ بن ارت سے جب یہ کہا گیا کہ دہکتے ہوئے انگاروں پر لیٹ جاؤ آپؓ لیٹ گئے پیٹھ کی کھال جلی، چربی پگھلی تو اس سے وہ انگارے ٹھنڈے ہوئے۔ میرے نزدیک سمع وطاعت کا اس سے بڑا مظہر ممکن نہیں۔ اگلے مرحلہ میں تن من دھن قربان کرنے کی عالی شان مثالیں صحابہ کرامؓ نے پیش کیں۔ ویسے تو دنیوی انقلابات میں بھی لوگوں نے قربانیاں دیں اور جانیں قربان کیں لیکن مسلمان کے لیے معاملہ اتنا آسان ہے کیونکہ اس کا ایمان تو آخرت پر ہے اور اصل زندگی تو آخرت کی ہے لہٰذا وہ سب کچھ بھی خرچ کر دے تو اس کے لیے گھاٹے کا سودا نہیں۔ اسے تو کوئی سو گنا واپسی کا یقین ہے۔ مسلمان کا آخرت پر جتنا یقین مستحکم ہوگا وہ اتنا ہی دین کے لیے اپنا تن من دھن قربان کرنے کے لیے تیار ہوگا۔ یہ عقیدۂ آخرت ہی ہے جو اس وقت دنیا کو سمجھ نہیں آ رہا کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے جانیں دینے کے لیے اس طرح

آمادہ ہیں۔ کشمیر، فلسطین، چیچنیا کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ یہ عقیدہ آخرت پر یقین کی علامتیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے انقلاب میں روحانی تربیت دو مرحلوں میں مکمل کی گئی۔ روحانیت پیدا کرنے کے سب سے بڑے ذریعے قرآن پاک کو دلوں میں اتارا گیا اور نفس کے تقاضوں کی مخالفت کروائی گئی اور پھر تزکیہ نفس کے لیے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگلہ مرحلہ (Active Resistance) کا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے معاملے میں اس مرحلہ میں داخل ہونے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھا لہٰذا غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں تھا لیکن آئندہ کوئی بھی تحریک اس مرحلے پر خود فیصلہ کرے گی اور غلطی کا امکان موجود رہے گا۔ نیک نیتی کے ساتھ غلطی کی صورت میں دنیا میں ناکامی کے باوجود آخرت کی کامیابی یقینی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد 6 ماہ میں تین کام کر کے اپنی پوزیشن کو مستحکم کیا۔ مسجد نبوی تعمیر فرمائی جو عبادت گاہ بھی تھی، درسگاہ بھی تھی۔ پارلیمنٹ کا کام بھی وہیں ہوتا تھا گویا ایک مرکز بن گیا۔ مہاجرین اور انصار میں مؤاخات کے اصول پر مفاہمت کروائی۔ چشم فلک نے کیسی کیسی مثالیں دیکھیں۔ انصاری بھائیوں نے ہجرت کر کے آنے والے مہاجر بھائیوں کو دکان و مکان میں برابر کا شریک کیا یہاں تک کہ جس کی دو بیویاں تھیں وہ اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے کر گیا اور کہا کہ آپ جسے پسند کرتے ہیں میں اسے طلاق دیتا ہوں۔ آپ اس سے شادی کر لیں (یاد رہے کہ اس وقت تک پردے کے احکامات نہیں آئے تھے) میں برداشت نہیں کر سکتا کہ حضورؐ نے تمہیں میرا بھائی قرار دیا۔ تمہارا گھر آباد نہ ہو اور میرے گھر میں دو دو بیویاں ہوں۔ یہ مؤاخات تھی۔ مدینہ کے قبائل کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے مشترکہ دفاع کے معاہدے کئے اب آپ نے Active Resistance کے طور پر غزوۂ بدر سے پہلے چھاپہ مار قسم کے 8 دستے بھیجے جس میں سے 4 میں خود بھی شرکت فرمائی اور اس طرح کفار کی Economic life line کو ڈسٹرب کر دیا۔ جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کا سیاسی اثر و رسوخ بڑھا اور قریش کا کم ہوا اور پھر غزوۂ بدر کے نام سے حق و باطل کے معرکوں کا آغاز ہوا جو 17 رمضان المبارک 2ھ سے شروع ہو کر 10 رمضان المبارک 8 ہجری کو فتح مکہ پر ختم ہوا جس میں سینکڑوں صحابہ کو جانوں کی قربانی دینا پڑی۔ 70 صحابہ کرام تو غزوۂ احد میں شہید ہوئے جس میں حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے۔ بالآخر 6 سال کی زبردست کشمکش اور مسلح تصادم کے بعد تاریخ انسانی کے عظیم ترین انقلاب کی تکمیل ہوئی۔ یہاں مجھے دو باتوں کی مزید وضاحت کرنا ہے۔ نبی کریمؐ نے فتح مکہ سے قبل کوئی پیغام، خط یا مبلغ عرب سے باہر نہیں بھیجا بلکہ دس سال تک سارا کام مکہ میں ہی کیا۔ اس کے بعد طائف کا سفر فرمایا۔ یہ انقلابی عمل کی خاص بات ہے کہ یہ ابتداء میں پھیلتا نہیں ہے۔ مشنری اور تبلیغی کام پھیلتا ہے جبکہ انقلابی عمل ایک ہی مقام پر اٹھتا ہے جیسے آم کی گٹھلی سے وہ دو پتے نکلتے ہیں۔ آم کا پودا بنتا ہے، درخت بن کر برگ و بار لاتا ہے۔ وہ خربوزے اور ککڑی کی بیل کی طرح زمین پر نہیں پھیلتا لہٰذا ظاہر ہوا کہ محمد ﷺ کی جدوجہد مشنری نہیں بلکہ انقلابی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے کسریٰ، ہرقل، نجاشی، یمامہ اور بحرین کی طرف نامہ بر بجھوائے۔ اس موقع پر آپؐ کے ایک سفیر کو شہید کر دیا گیا تو پھر آپؐ نے جنگ موتہ اور جنگ تبوک کا معاملہ شروع کیا گویا کہ نبی کریمؐ کی حیات دنیوی ہی میں نہ صرف یہ کہ یہ عظیم انقلاب مکمل ہوا بلکہ عرب سے باہر کام کا آغاز آپؐ نے اپنے دست مبارک سے کیا اور پھر یہ ذمہ داری امت کے سپرد کی۔ دوسری بات یہ کہ اب وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ گیا ہے اور حالات میں بہت تبدیلی آ چکی ہے لہٰذا اس وقت ایک بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کے دور میں نبی کریمؐ کے طریقہ انقلاب پر جوں کا توں عمل کیا جائے گا یا اس کے لیے کسی اجتہاد کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں اوپر بیان کئے گئے پہلے پانچ مراحل میں قطعاً کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ آخری مرحلہ کے حوالے سے اجتہاد کی ضرورت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے دور میں ایک طرف کفار تھے اور دوسری طرف مسلمان لیکن اس وقت دونوں طرف مسلمان ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس وقت دونوں فریقوں میں صرف تعداد کے اعتبار سے فرق تھا۔ ادھر 313 جانثار تھے تو ادھر 1000 تھے۔ تعداد کا فرق تھا نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ تھا اور تیسری بات یہ کہ (Social evolution) کے نتیجے میں آج اس بات کا امکان موجود ہے کہ بغیر جنگ کے حکومت تبدیل ہو سکتی ہے تو پھر اب دو صورتیں ممکن ہیں۔ ایک الیکشن دوسرا احتجاج۔ الیکشن کے نتیجے میں نظام نہیں بدلا کرتا صرف اس نظام کو چلانے والے ہاتھ بدل جاتے ہیں۔ الیکشن چاہے کتنا ہی منصفانہ ہو نظام نہیں بدل سکتا۔ آپ کے ملک میں جاگیرداری نظام چل رہا ہے تو الیکشن کے نتیجے میں کوئی جاگیردار ہی آئے گا۔ یہ لوگ حکومت اور اقتدار میں آ کر کبھی اس نظام کو نہیں بدلیں گے۔ اب ایک راستہ باقی ہے وہ یہ کہ پرامن منظّم عوامی تحریک جو توڑ پھوڑ نہ کرے، کسی سرکاری یا غیر سرکاری املاک کو نقصان نہ پہنچائے۔ خود جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس کو میں یکطرفہ جنگ کہا کرتا ہوں۔ یہ جنگ ہی ہے کہ ہم نے منکرات کو ختم کرنے کے لیے آپ سے بہت درخواستیں کیں لیکن اب ہمارے جیتے جی یہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ بینک ہم نہیں چلنے دیں گے۔ گھیراؤ کریں گے اور سسٹم کو بلاک کر دیں گئے۔ چلاؤ ہم پر گولیاں۔ میرے خیال میں اس وقت یہی قابل عمل طریقہ ہے۔ اگر ہم مشتعل ہو کر اسلحہ اٹھائیں تو کس کے خلاف اٹھائیں گے۔ فوج، ایئر فورس یا نیوی کے خلاف لہٰذا اب دوطرفہ جنگ ممکن ہی نہیں ہے وہ بھی مسلح اور تربیت یافتہ افواج کے ساتھ۔ یاد رکھئے کہ اس موقع پر جنگ حرام نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے مطابق کلمہ گو حکمران کے خلاف بھی لڑ سکتے ہیں۔ جنگ جائز ضرور ہے لیکن اس وقت موزوں (Feasible) نہیں ہے۔ لہٰذا میرے خیال میں آخری مرحلے پر پرامن اور منظّم عوامی تحریک سے ہی ملک میں اسلامی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ ہر شخص کا خلوص و اخلاص اپنی جگہ، کامیابی ممکن نہیں۔